جامعہ حسین بن علیؓ کا ترجمان

سہ ماہی

# الحسین خانیوال

ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاول ۱۴۴۶ھ / 2024ء

**مدیر**

حضرت مولانا عبدالستار خان صاحب نیازی

**معاون مدیر**

محمد بشارت نواز

**ناظم**

مبین انجم

**بیاد**

پیر طریقت رہبر شریعت
مخدوم العلماء حضرت مولانا
**ارشاد احمد صاحب** رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم و شیخ الحدیث دار العلوم عیدگاہ کبیر والا

پیر طریقت رہبر شریعت
مخدوم العلماء حضرت مولانا
**سید جاوید حسین شاہ صاحب** رحمۃ اللہ علیہ
مدیر و شیخ الحدیث جامعہ عبیدیہ فیصل آباد

**زیر سرپرستی**

استاذ العلماء
حضرت **مولانا عبدالستار صاحب** مدظلہ
نائب شیخ الحدیث دار العلوم عیدگاہ کبیر والا

استاذ العلماء حضرت مولانا
**شمشاد احمد صاحب** مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

**مجلس مشاورت**

حضرت مولانا مفتی محمد سرور صاحب
حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب
حضرت مولانا شکیل احمد صاحب
حضرت مولانا محمد انور خان صاحب
حضرت مولانا نعمت اللہ خان صاحب


جملہ خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ

سہ ماہی **الحسین خانیوال**

جامعہ حسین بن علیؓ نیازی چوک چک 42-A/10-R

ڈاکخانہ چک نمبر 70/10-R آریہ نگر خانیوال

0300-4097744
0301-7825129

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## آئینہ مضامین



| | | | |
|---|---|---|---|
| اداریہ | خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت، ایمانی عمل ہے!.... | مدیر کے قلم سے............ | ۰۳ |
| درسِ قرآن | قرآن کریم سے انتفاع کی شرط: استماع وانصات.. | مولانا عبدالستار خان نیازی... | ۰۵ |
| درسِ حدیث | دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے............... | مولانا عبدالستار خان نیازی.. | ۰۷ |
| مقالات ومضامین | ۷ ستمبر یوم تحفظ ختم نبوت- فتح وکامرانی اور تجدید عہد کا دن | مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ........ | ۰۸ |
| | امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حُلیہ مبارک............... | مولانا سید سلیمان ندویؒ...... | ۱۳ |
| | مسجد اقصیٰ تعارف اور جغرافیائی حدود............ | مولانا احسان اللہ سکھروی.... | ۱۵ |
| | ائمہ وخطباء کی ذمہ داریاں............. | مولانا عبدالواحد رسول نگری.. | ۱۹ |
| | علمائے امت سے کچھ خاص خاص باتیں.......... | حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ | ۲۴ |
| | پیران پیر محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ | مولانا محمد نعمت اللہ خان نیازی | ۲۹ |
| | اولاد کی ظاہری وباطنی تربیت-اہمیت اور انداز...... | مولانا محمد شفیق الرحمٰن علوی.... | ۳۴ |
| | تجارت کی سنتیں.................. | مولانا محمد مبین انجم........... | ۳۹ |
| جامعہ کی سرگرمیاں | جامعہ کے شب وروز........................ | ادارہ................... | ۴۰ |




**فی شمارہ:**..... 70روپے　**سالانہ زرِتعاون:**..... 280 روپے

**خط وکتابت کا پتہ:**..... جامعہ حسین بن علی، نیازی چوک چک 42دس آر، خانیوال

رابطہ نمبر:.......... 03004097744-03017825129

مدیر کے قلم سے

# خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت، ایمانی عمل ہے!

حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے بخاری شریف میں کتاب الایمان کے تحت ایک باب قائم کیا ہے جس کو عنوان دیا ہے "حب الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم من الایمان" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت ایمانی عمل ہے، امام بخاری اس باب میں دو احادیث لائے ہیں، پہلی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی ماں، باپ اور اس کی اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔"

دوسری حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں والناس اجمعین کے الفاظ زائد ہیں یعنی کہ جب تک تمام لوگوں سے زیادہ آپ سے محبت نہ ہوجائے کوئی مومن نہیں ہوسکتا، ان دو احادیث کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت ہر چیز سے زیادہ ہو، خود اپنے نفس سے اور دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت ہو، آج ہم خود اپنے آپ میں ذرا جھانک کر دیکھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہم کتنی محبت کرتے ہیں؟ اور ہم اپنی زندگی کے قدم قدم کا جائزہ لیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک سنتوں کو ہم نے کہاں تک پورا کیا ہے اور کررہے ہیں؟

لہٰذا اے میرے عقلمند مسلمان بھائیوں اور بہنو! ہمارے اور آپ کے لیے ایسی وفا شعار، مخلصانہ محبت سیکھنے کا بہترین نمونہ اور لازوال مثال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سوانح اور سیرت ہے۔ صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت واطاعت میں اپنا مال ومتاع، دنیاوی عیش وعشرت اور اپنی جانیں اور اپنے خاندان قربان کر دیے اور محبت کے جذبات کو عملی جامہ پہنا کر قیامت تک آنے والے پوری دنیا کے انسانوں کو بتا دیا کہ محبت صرف آرزوؤں اور رسمی عقیدتوں کا نام نہیں اور محبت صرف محض نعرے بازی کا وقتی جنون نہیں جو چند لمحوں کے بعد رفو چکر ہو جائے بلکہ محبت ایک دوامی جذبہ ہے جو حقیقت کا روپ دھا کر، قربانیوں کے گھاٹ اتر کر ہمیشہ کے لیے نقشِ دوام بن جاتا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سینکڑوں واقعات اس ایمانی محبت کے بڑھنے کے بعد قلب وزبان یہ کہنے پہ مجبور ہو جاتے ہیں کہ بغیر استثنیٰ کے ایسے مقدس لوگ آج تک نہ کسی آنکھ نے دیکھے ہیں اور نہ ان سے پہلے کسی کان نے سنے تھے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم، آپ سب مسلمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتلائے ہوئے ارشادات واحکامات پر بصد فرحت اور احترام کے ساتھ دل وجان سے ہمیشہ عمل پیرا ہوں۔

قرآن وحدیث میں متعدد جگہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنے کی تاکید آئی ہے، اور اس کے علاوہ اوامر کو بجالانا اور منہیات سے بچنے میں بھی کسی قسم کی سستی، کم ہمتی اور عذر سے بچنے کا اہتمام کریں اور یہی پیغام اپنی زندگی کا اہم فریضہ جانتے ہوئے ہم اپنے گھروں میں، محلوں میں، مسجدوں میں، مدارس اور اسکول وکالجز میں، کام کاج میں، غرض اپنی روزمرہ کی زندگی میں اپنے پیشِ نظر رکھیں۔ کیونکہ یہی وہ ضمانت ہے جو ہر دو عالم میں مخلص مومن کے لیے سرخروئی کا سبب ہے۔

علامہ محمد اقبال مرحوم نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

☆......☆......☆

درسِ قرآن

مولانا عبدالستار خان نیازی صاحب
شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ حسین بن علی

# قرآن کریم سے انتفاع کی شرط: استماع وانصات

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الاعراف:204)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم رحم کیے جاؤ۔

تشریح: قرآن کریم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منتخب (چنیدہ) معجزہ ہے، علم وبصیرت کی کان، راہ نما اور رحمت ہے، مگر اس سے انتفاع کے لیے شرط یہ ہے کہ، اس کو پوری توجہ سے کام لگا کر سنا جائے، اس کے مضامین میں غور کیا جائے اور اس کی بصیرت افروز باتوں سے فائدہ اٹھایا جائے، اگر منکرین اسلام قرآن کو اس طرح سنیں تو کیا بعید ہے کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو جائیں اور پہلے سے مسلمان ہوں تو اللہ کے ولی (دوست) بن جائیں، ورنہ کم از کم اجر وثواب کے حق دار ہو جائیں اور خاموش رہ کر سننا اس لیے ضروری ہے کہ اگر کچھ پڑھ بھی رہا ہے اور سن بھی رہا ہے تو وہ پوری توجہ سے نہیں سن سکتا، نہ سنی ہوئی بات میں غور کر سکتا ہے، سنی ہوئی بات کی طرف کامل توجہ اسی وقت ہو سکتی ہے کہ وہ خاموشی کے ساتھ سنے، نفس ناطقہ بیک وقت دو چیزوں کی طرف کامل متوجہ نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: سورت مزمل کی آیت: "فاقرءوا ما تیسر من القرآن" کی وجہ سے نماز میں قرآن پڑھنا فرض ہے، اور اس آیت سے جہری نمازوں میں جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہ کر سننا بھی واجب ہے، اور فاتحہ بھی اس میں شامل ہے، پس جہری نمازوں میں مقتدی کے لیے بوقت قرأت کچھ بھی پڑھنا درست نہیں، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثیں مسلم شریف میں ہیں "واذا قرء فانصتوا" جب امام قرأت کرے تم خاموش رہو اور امام احمدؒ کا قول ان کے مذہب کی کتاب مغنی جلد ۱: ص ۶۰۲ میں ہے کہ میں نے کسی مسلمان سے یہ

بات نہیں سنی کہ اس نے جہری نماز میں مقتدی کے لیے فاتحہ کو واجب کہا ہو۔

اور یہی حکم سری نمازوں کا ہے، اس لیے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو مؤطا امام محمدؒ میں مروی ہے اور جس کی سند اعلیٰ درجے کی ہے۔ یہ ارشاد نبوی ہے: **"من کان له امام فقراءة الامام له قراءة"** جو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے تو امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے، پس جب روٹی ملے یوں تو کھیتی کرے کیوں؟ اور یہ بات سبھی ائمہ مانتے ہیں کہ مدرک رکوع (رکوع کو پانے والا) مدرک رکعت (رکعت کو پانے والا) ہے، حالانکہ اس نے فاتحہ نہیں پڑھی، مگر اس کے امام نے پڑھ لی ہے، جو مقتدی کے حق میں محسوب ہوگئی۔

**مسئلہ:** خطبۂ جمعہ میں قرآن پڑھا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے، خاموش رہ کر سننا واجب ہے۔

**مسئلہ:** نماز اور خطبہ کے علاوہ اگر قرآن پڑھا جائے تو اس کا سننا مستحب ہے، اس لیے کہ آیت نماز اور خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، پس وہ مصداق اولین ہیں اور دوسری صورتیں مصداق ثانوی، اس لیے احکام مختلف ہیں۔

**مسئلہ:** چند آدمی ایک جگہ تلاوت کریں تو سننا ضروری نہیں، ہر ایک اپنا پڑھ سکتا ہے، اس لیے کہ جو کسی عبادت میں مشغول ہو، اس پر دوسری عبادت کے لیے خاموش رہنا ضروری نہیں۔ مثلاً کوئی شخص تلاوت کر رہا ہے اور اذان شروع ہوگئی تو جواب دینے کے لیے تلاوت بند کرنا ضروری نہیں۔

**فائدہ:** اس آیت نے بتا دیا کہ جب قرآن کریم کی تلاوت ہو رہی ہو تو اسے سننے کا اہتمام کرنا چاہیے، البتہ تلاوت کرنے والے کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ ایسے مقامات پر بلند آواز سے تلاوت نہ کرے جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں، ایسی صورت میں اگر لوگ تلاوت کی طرف دھیان نہیں دیں گے تو اس کا گناہ تلاوت کرنے والے کو ہوگا۔ (آسان ترجمہ قرآن)

☆......☆......☆

درسِ حدیث

مولانا عبدالستار خان نیازی صاحب
شیخ الحدیث ومہتمم جامعہ حسین بن علی

# دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے

**عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الدنیا سجن المؤمن و جنۃ الکافر** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔

**وضاحت:** مؤمن اگر مصائب اور بلاؤں میں مبتلا ہے تو اس کے لیے اس کی دنیا کا جنت کی نعمتوں کے مقابلے میں قید خانہ ہونا واضح ہے۔ اور اگر مؤمن دنیا کی نعمتوں اور عیش میں ہے تو جنت کی ان نعمتوں کے مقابلے میں جن کو اس کی آنکھوں نے نہ کبھی دیکھا، نہ کانوں نے کبھی سنا اور نہ اس کے دل میں اس کا خطرہ اور خیال گزرا، پھر بھی وہ قید خانہ میں ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اہل جنت کے لیے جو نعمتیں تیار کی ہیں "**لا عین رأت و لا اذن سمعت و لا خطر علی قلب بشر**" نہ کسی کی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کے کان نے سنا نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا۔

اور کافر اگر بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا ہے تب بھی یہ دنیا اس کی دوزخ کے مصائب کے مقابلے میں جنت ہے اور اگر عیش میں ہے یعنی شہوات نفسانیہ کی تمام لذتوں کو اڑا رہا ہے تب بھی دوزخ کی تکالیف کے مقابلے میں موت سے قبل یہ دنیا اس کی جنت ہے۔

نیز یہ کہ مؤمن دنیا سے آخرت کی طرف خروج کی تمنا رکھتا ہے اور کافر دنیا میں خلود یعنی ہمیشہ رہنے کی تمنا کرتا ہے اس لحاظ سے بھی یہ دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔

بقیہ صفحہ: ۱۲ پر ملاحظہ کیجیے

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

# ۷ ستمبر یوم تحفظ ختم نبوت...... فتح و کامرانی اور تجدید عہد کا دن

## ۷ ستمبر 1974ء کو پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا

**بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمدللہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی**

اسلام کی بنیاد کلمہ طیبہ پر ہے، اس کلمہ کے دو جزو ہیں: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اعتراف و اقرار۔ اس اعتراف و اقرار کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مدعی الوہیت کا وجود نا قابل برداشت ہے، اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی مدعی نبوت کا بساط نبوت پر قدم رکھنے کی جرأت کرنا بھی لائق تحمل نہیں، یہی عقیدہ ختم نبوت کہلاتا ہے۔ جس پر آج تک امت مسلمہ قائم رہی ہے۔ جو لوگ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کے ایمان و اقرار سے سرشار ہو کر نور ایمان سے منور ہو چکے ہیں اور اسلامی برادری کا حصہ ہونے پر فخر کرتے ہیں، ان پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ مشرکوں کی سرکوبی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باغیوں کے خلاف بھی سینہ سپر ہو جائیں اور جھوٹے مدعیان نبوت کے طلسم کو پاش پاش کر کے رکھ دیں۔ اسی ذمہ داری کا نام تحفظ ختم نبوت ہے۔

چونکہ اس عقیدے کا تحفظ دین کی اساس اور بنیاد ہے۔ عقیدہ ختم نبوت ہے تو ہمارا دین محفوظ ہے، عقیدہ ختم نبوت ہے تو قرآن محفوظ ہے، عقیدہ ختم نبوت ہے تو دین کی تعلیمات محفوظ ہیں، اگر یہ عقیدہ باقی نہیں رہتا تو پھر نہ دین باقی رہے گا، نہ اس کی تعلیمات اور نہ قرآن باقی رہے گا۔ بعد میں آنے والے ہر نبی کو دین میں تبدیلی و تنسیخ کا حق ہوگا۔ اس لیے اس عقیدے پر پورے دین کی

عمارت قائم ہے، اسی میں امت کی وحدت کا راز مضمر ہے، یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کسی نے اس عقیدے پر نقب لگانے کی کوشش کی یا اس مسئلے سے اختلاف کرنے کی کوشش کی، اسے امت مسلمہ نے سرطان کی طرح اپنے جسم سے علیحدہ کر دیا، اس لیے ختم نبوت کا تحفظ یا بالفاظ دیگر منکرین ختم نبوت کا استیصال دین ہی کا ایک حصہ ہے، مسلمانوں نے ہمیشہ اسے اپنا مذہبی فریضہ سمجھا ہے۔ امت نے ہر دور میں اپنا یہ فریضہ احسن طریقے سے انجام دیا اور اس فریضے کی ادائیگی میں کسی کوتاہی اور غفلت کی مرتکب نہیں ہوئی۔

عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کسی ایک فرد، ایک جماعت، ایک تنظیم کا کام نہیں، بلکہ پوری امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس عقیدے کی حفاظت کرے۔ حریم نبوت کی پاسبانی اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی نگہبانی ہر مسلمان کا دینی اور ملی فریضہ ہے اور مسلمانوں نے کسی بھی دور میں کبھی اس فریضہ سے غفلت نہیں برتی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اسود عنسی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں مسیلمہ کذاب کو کیفر کردار تک پہنچانے سے لے کر آج تک جب کبھی کسی نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے ردائے ختم نبوت کو تار تار کرنے کی کوشش کی تو امت مسلمہ نے اس کا مقابلہ کر کے اس کی کوشش کو ناکام بنا دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے آج تک ایک واقعہ بھی ایسا نہیں بتایا جاسکتا کہ کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہو اور مسلمانوں نے اس پر خاموشی اختیار کی ہو۔

ہندوستان میں جب قادیانی فتنہ نے سر اٹھایا تو امت مسلمہ اور علمائے امت اس فتنہ کا سر کچلنے کے لیے میدان عمل میں اترے۔ اس فتنہ کے مقابلہ میں تمام مکاتب فکر کے جید علماء اور مشائخ صف آرا ہوئے، لیکن ان تمام سرکردہ علماء میں حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس فتنہ کے مقابلہ میں ہمیں سب سے آگے نظر آئے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ تک اپنی آواز پہنچانے کے لیے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا ظفر علی خان اور علامہ اقبال کو تیار و آمادہ کیا۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کام کو باقاعدہ منظم کرنے کے لیے خطیب الامت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو امیر شریعت مقرر کر کے باقاعدہ مجلس احرار کو اس

کام کی طرف متوجہ کیا اور تحفظ ختم نبوت اور ردقادیانیت کا محاذ ان کے سپرد کیا۔ انہوں نے باقاعدہ اس کے لیے مستقل شعبہ تبلیغ قائم کیا اور اس کے تحت فتنہ قادیانیت کے مقابلے کے لیے اپنی تمام تر کوششیں اور صلاحیتیں صرف کردیں۔ ان کے سرفروشوں نے قادیانیت کا پوسٹ مارٹم کیا اور پورے ملک میں اپنے جوش خطابت سے مرزائیت کے لیے نفرت کا ماحول پیدا کردیا اور ان سرفروشوں نے اپنے شعلہ خطابت سے قادیانی نبوت کے خرمن کو پھونک ڈالا۔

پاکستان بن جانے کے بعد مرزا محمود اپنی ذریت کے ساتھ پاکستان آیا اور یہاں اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے قادیانیت کو فروغ دینے کی کوششیں شروع کردیں۔ فوج میں ان کا گہرا اثر ورسوخ تھا، کلیدی مناصب پر انہوں نے قبضہ جمالیا۔ پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ ظفر اللہ قادیانی قرار پایا، اس طرح قادیانیت نے پاکستان میں اپنی جڑیں مضبوط کرنا شروع کیں۔

ان حالات میں قادیانیت کے خلاف کام کرنے کے لیے امیر شریعت نے ملک کی سیاسیات سے دست کش ہونے کا اعلان کردیا اور جنوری 1949ء سے صرف اور صرف عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے کام کرنے کا اعلان فرمایا۔ قادیانی سازشوں کی روک تھام کے لیے تحریک خدّام نبوت 1953ء برپا ہوئی لیکن اسے بزور طاقت کچل دیا گیا۔ آئندہ کا لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے ملتان کی ایک چھوٹی سی مسجد "مسجد سراجاں" میں 14 ربیع الثانی 1347ھ مطابق 13 دسمبر 1954ء کو اپنے مخلص رفقاء کی ایک مجلس مشاورت طلب فرمائی۔ غور وخوض کے بعد 1949ء کے فیصلے کو آگے بڑھانے کے لیے "مجلس تحفظ ختم نبوت" کے نام سے ایک غیر سیاسی تبلیغی تنظیم کی بنیاد رکھی گئی۔ جس کے پہلے امیر حضرت مولانا سید عطاءاللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ بنائے گئے۔

شیخ الاسلام حضرت العلامہ مولانا السید محمد یوسف بنوری الحسینی نور اللہ مرقدہ کے دور امارت میں 1974ء کی عظیم الشان تحریک ختم نبوت چلی، جس کے نتیجے میں قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر آئین میں ترمیم کر کے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ قطب الاقطاب شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کے دور میں مجلس تحفظ ختم نبوت نے

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی حیثیت اختیار کر لی اور پورے عالم میں مجلس تحفظ ختم نبوت نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے کام کرنا شروع کیا۔

1984ء میں آپ نے ایک بار پھر تحریک کو منظم کیا، جس کے نتیجہ میں امتناع قادیانیت آرڈیننس منظور ہوا، جس کی رو سے قادیانیوں کے لیے اپنے آپ کو مسلم کہنا یا کہلوانا، اذان دینا، اپنی عبادت گاہ کو مسجد قرار دینا، کلمہ طیبہ کا بیج لگانا، مرزا غلام احمد کو نبی کہنا، اس کے ساتھیوں کو صحابی اور بیویوں کو امہات المومنین وغیرہ اور دیگر شعائر اسلام کے الفاظ استعمال کرنا قابل تعزیر جرم قرار دے دیا گیا۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام انتہائی ناموافق حالات میں عمل میں آیا، حکومت کی تمام مشینری کارکنان ختم نبوت کے خلاف حرکت میں آئی ہوئی تھی، کارکنوں کی نظر بندی اور زبان بندی روز کا معمول تھی، ختم نبوت کے مجاہدین جہاں قادیانیوں کے بارے میں لب کشائی کی جرأت کرتے تو گرفتاری، مقدمہ پیشی، سزا اور جیل ان کا مقدر بنتے، اس پر مستزاد وسائل کا فقدان، تنظیمی ڈھانچے کا مستحکم نہ ہونا تھا۔

ان نامساعد حالات میں جماعت نے کام شروع کیا، ان تمام مشکلات کے ہوتے ہوئے وہ نہ گھبرائے، نہ پیچھے ہٹے بلکہ اپنا کام مسلسل جاری رکھا۔ تحفظ ختم نبوت کے محاذ کو مسلسل گرم رکھا، قادیانیت کو کہیں ٹکنے نہیں دیا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کا وجود امت مسلمہ خصوصاً اہل پاکستان کے لیے ایک انعام الٰہی ہے۔ شروع ہی میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے دستور میں وضاحت کر دی گئی کہ یہ جماعت غیر سیاسی اور خالص تبلیغی جماعت ہوگی اور اس کے ذمہ داران سیاسی معرکوں میں حصہ نہیں لیں گے، تاکہ تمام مسلمان خواہ وہ کسی جماعت یا طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں، وہ اس کام کا حصہ اور اس کے معاون بنیں اور ارباب اقتدار، حکومتوں اور کسی سیاسی جماعت سے جماعت کا تصادم نہ ہو اور جماعت اپنی پوری توجہ اپنے تبلیغی کام پر مرکوز رکھے۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کا عزم یہ ہے کہ ہر مسلمان کے دل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا جذبہ

بیدار کیا جائے اور اس محبت کے نتیجے میں ہر مسلمان کو یہ بات سمجھا دی جائے بلکہ ان کے دل و دماغ میں بٹھا دی جائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و ناموس کی حفاظت اور عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ اس کی نگہبانی و پاسبانی ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

1974ء اور 1984ء کی تحریک کے بعد شاید ہم مطمئن ہو کر بیٹھ گئے ہیں کہ مسئلہ حل ہو گیا اور اب اس کے لیے مزید محنت کی ضرورت نہیں۔ لیکن حالات اس کے برعکس ہیں، 1953ء کی تحریک کے وقت کے لوگ تو اس وقت شاید چند افراد ہی حیات ہوں اور 1974، 1984ء کی تحریک کو بھی بہت عرصہ بیت چکا۔ آج کا نوجوان نہ ان تحریکات سے واقف ہے اور نہ ہی ہم آج وہ ماحول برقرار رکھ سکے ہیں جو ان تحریکات کے وقت تھا، اس لیے آج کا نوجوان اور آئندہ پروان چڑھنے والی نسلیں اس فتنے سے آگاہ ہی نہیں ہیں۔ جبکہ قادیانیوں نے اپنا طریقہ کار بھی تبدیل کر لیا ہے، وہ اپنے حقوق کا رونا رو کر گمراہی پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے عالمی اداروں کا سہارا لیا ہوا ہے، لہٰذا موجودہ دور کی صورتحال کو سامنے رکھ کر نئے سرے سے اپنی ترجیحات قائم کرنے اور مسلسل امت مسلمہ کو اس فتنہ سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس میں مرکزی کردار علماء اور مشائخ ہی ادا کر سکتے ہیں۔

☆......☆......☆

## بقیہ: درسِ حدیث

مقصود اس حدیث پاک کا یہ ہے کہ مؤمن کے نزدیک دنیا کی نعمتوں کی آخرت کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں ہوتی اگرچہ بظاہر کثیر اور جلیل القدر ہوں اور اس کی تمام تر فکر آخرت کی زندگی کے لیے وقف ہوتی ہے اور کافر آخرت کی زندگی کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے: ”**ان هی الا حیاتنا الدنیا**“ نہیں ہے مگر صرف دنیا کی زندگی۔

مولانا سید سلیمان ندوی

# امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میانہ قد اور موضوع اندام تھے، رنگ سفید سرخ تھا، پیشانی چوڑی اور ابرو پیوستہ تھے۔ بینی مبارک درازی مائل، چہرہ ہلکا، یعنی بہت پر گوشت نہ تھا، دہانہ کشادہ تھا، دندان مبارک بہت پیوستہ نہ تھے، گردن اونچی، سر بڑا اور سینہ کشادہ اور فراخ تھا، سر کے بال نہ بہت پیچیدہ تھے، نہ بالکل سیدھے تھے، ریش مبارک گھنی تھی، چہرہ کھڑا کھڑا تھا، آنکھیں سیاہ سرگیں اور پلکیں بڑی بڑی تھیں، شانوں پر گوشت اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی تھیں، سینہ مبارک میں ناف تک بالوں کی ایک ہلکی لکیر تھی۔ شانوں اور کلائیوں پر بال تھے۔ ہتھیلیاں پر گوشت اور چوڑی، کلائیاں لمبی اور پاؤں کی ایڑیاں نازک اور ہلکی تھیں۔ پاؤں کے تلوے بیچ سے ذرا خالی تھے، نیچے سے پانی نکل جاتا تھا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن وخوبروئی کا بہت اثر پڑتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو پہلے یہودی تھے، پہلے پہل جب چہرہ اقدس پر نظر پڑی تو بولے "خدا کی قسم یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔"

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں ان سے کسی نے پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ تلوار سا چمکتا تھا؟ بولے: "نہیں ماہ وخورشید کی طرح" یہی صحابی روایت کرتے ہیں کہ ایک شب کو جب مطلق ابر نہ تھا، چاند نکلا تھا، میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتا تھا کبھی چاند کو دیکھتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے چاند سے زیادہ خوب رو معلوم ہوتے تھے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ صحابی کہتے ہیں: میں نے کسی جوڑے والے کو سرخ (خط کے) لباس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینے

میں ایک خاص قسم کی خوشبو تھی، چہرہ مبارک پر پسینے کے قطرے موتی کی طرح ڈھلکتے تھے، جسم مبارک کی جلد نہایت نرم تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ نہایت کھلتا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ موتی معلوم ہوتا تھا۔ میں نے دیبا اور حریر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلد سے زیادہ نرم نہیں دیکھے اور مشک و عنبر میں بھی آپ کے بدن سے زیادہ خوشبو نہ تھی۔ عام طور سے مشہور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ تھا لیکن اس کی کوئی سند نہیں ہے۔ شانوں کے بیچ میں کبوتر کے انڈے کے برابر خاتم نبوت (مہر نبوت) تھی۔ یہ بظاہر سرخ ابھرا ہوا گوشت سا تھا۔

صحیح مسلم اور شمائل ترمذی میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں شانوں کے بیچ خاتم نبوت کو دیکھا تھا جو کبوتر کے انڈے کے برابر سرخ غدہ تھا۔"

لیکن ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیں شانے کے پاس چند مہاسوں کی مجموعی ترکیب سے ایک مستدر شکل پیدا ہوگئی تھی۔ اسی کو مہر نبوت کہتے تھے۔ تمام صحیح روایات کی تطبیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونوں شانوں کے درمیان ایک ذرا ابھرا ہوا گوشت کا حصہ تھا جس پر تل تھے اور بال اگے ہوئے تھے۔

سر کے بال اکثر شانے تک لٹکے رہتے، فتح مکہ میں لوگوں نے دیکھا کہ شانوں پر چار گیسوں پڑے تھے۔ مشرکین عرب بالوں میں مانگ نکالتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ کفار کے مقابلے میں اہل کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے اس لیے ابتدا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اہل کتاب کی طرح بال چھوڑے رکھتے تھے، پھر مانگ نکالنے لگے۔ یہ شمائل ترمذی کی روایت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب مشرکین کا وجود نہ رہا تو ان کی مشابہت کا احتمال بھی جاتا رہا۔ اس لیے آخر زمانہ میں مانگ نکالنے لگے۔ بالوں میں اکثر تیل ڈالتے تھے اور ایک دن بیچ کنگھی کرتے تھے۔ ریش مبارک میں گنتی کے چند سفید بال ہونے پائے تھے۔

☆......☆......☆

مولانا احسان اللہ سکھروی

# مسجد اقصیٰ تعارف اور جغرافیائی حدود

مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا قبلہ اول، اسراء و معراج کی سرزمین منشر و محشر، انبیاء اور طائفہ منصورہ کا مرکز ارضِ رباط و جہاد اور کرہ ارض پر تیسرا مقدس ترین مقام ہے، اسے روئے زمین کی دوسری مسجد ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ اقصیٰ کے معنیٰ "دور ترین" کے ہیں، نام رکھنے میں مسجد حرام اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسافت کی دوری کو مورد توجہ قرار دیا گیا ہے۔

یہ جس تاریخی شہر میں واقع ہے اس کو "القدس" کے نام سے جانا جاتا ہے، مسجد اقصیٰ قدیم شہر کے جنوب مشرق میں ایک نہایت وسیع رقبے پر مشتمل احاطہ ہے، یہ پورا احاطہ شہر کے جس حصے میں واقع ہے وہ ایک ٹیلہ نما جگہ ہے، جس کا تاریخی نام "موریا" ہے، اس کا کل رقبہ 144000 مربع میٹر ہے، پیمائشیں یوں ہیں: جنوب کی طرف 281 میٹر، شمال کی طرف 310 میٹر، مشرق کی طرف 462 میٹر اور مغرب کی جانب 491 میٹر۔

مسجد کا احاطہ متعدد عمارتوں سے مل کر تشکیل پاتا ہے، اس میں موجود تاریخی آثار و نشانات اور نقوش و مقدسات کی تعداد 200 تک پہنچتی ہے، ہم کچھ اہم گوشوں کا تذکرہ کرتے ہیں:

**مساجد و مصلے:**

مسجد اقصیٰ سات ذیلی مساجد اور مصلوں پر مشتمل ہے، جن کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

1۔ الجامع القبلی / المسجد القبلی: یہ مسجد قبۃ الصخرۃ کے جنوب میں، قبلہ کی جانب مسقّف مسجد ہے، اس کی لمبائی 80 میٹر اور چوڑائی 55 میٹر ہے، اس پر سرمئی رنگ کا ایک گنبد ہے، یہ جامع قبلی ہی پورے احاطہ مسجد کے اندر اصل جائے نماز ہے۔

اس مسجد کو امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے 15 ہجری میں فتح اسلامی کے موقع پر بنوایا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تجدید و توسیع کی، جب صلیبیوں نے قدس پر قبضہ کیا، تو اس مسجد کو 3 حصوں میں تقسیم کر دیا: ایک حصے کو دفاتر کے لیے خاص کیا، دوسرے کو سپاہیوں کی قیام گاہ بنایا اور تیسرے حصے کو کنیسا (چرچ) بنا لیا۔

صلاح الدین ایوبی نے فتح بیت المقدس کے بعد 538ھ/ 1187ء میں اس مسجد میں ترمیم کی، پھر دور عثمانی میں برابر ترمیمات ہوتی رہیں، موجودہ زمانے میں یہ مسجد یہودیوں کے ذریعہ بے حرمتی اور نقصانات کا سامنا کر رہی ہے۔

نوٹ: بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ مسجد اقصیٰ صرف یہی مسجد جامع ہے۔ یہ غلط ہے، مسجد اقصیٰ پورے ایریا کا نام ہے، یوں اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی جو فضیات حدیث میں مصرح ہے، وہ اس پورے حصے میں کہیں بھی نماز پڑھ کر حاصل کی جا سکتی ہے۔

2۔ مسجد صخرا: یہ 8 کونوں پر مشتمل ہے، اس کے 4 دروازے ہیں، اس کے اندرونی حصے میں ایک اور ہشت پہلو عمارت ہے، درمیان میں ایک دائرہ ہے، جس کے بیچ میں وہ تاریخی چٹان (صخرہ) ہے جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سفر معراج پر لے جایا گیا تھا۔

یہ شہر قدس کی ممتاز ترین مسجد اور فن معماری میں دنیا کی خوبصورت ترین عمارت ہے، اس کا سنہرا گنبد اسلامی فن معماری کا شاہ کار ہے، اسے عبد الملک بن مروان نے 685ء اور 691ء کے درمیان تابعی جلیل رجاء بن حیوہ کندی اور یزید بن سلام کی نگرانی میں تعمیر کرایا تھا۔

نوٹ: اس کے متعلق کئی بے بنیاد باتیں مشہور ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس کی فضیلت مسجد اقصیٰ کے اندر واقع ہونے کی وجہ سے ہے اور شب معراج میں یہیں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آسمانوں کی طرف صعود ہوا تھا۔

3۔ مصلی مروانی: یہ مسجد اقصیٰ کے زیریں حصہ جنوب مشرق میں واقع امویوں کی تعمیر کردہ 16 ہالوں پر مشتمل جائے نماز ہے، اس کا رقبہ 4000 مربع میٹر ہے۔

4۔ مصلی اقصیٰ قدیم: یہ مسجد قبلی سے متصل نیچے جنوبی جانب 2 دروں پر مشتمل امویوں کی تعمیر کردہ اعمارت ہے مسجد قبلی سے ایک زینہ یہاں پہنچنے کے لیے بنایا گیا ہے، یہ مسجد سالوں سے بند پڑی ہے۔

5۔ مسجد البراق: یہ حائط البراق (دیوار گریہ) کے پاس جنوب مغرب میں واقع ہے، یہود اس جگہ کو ہیکل سلیمانی کا ایک جز مانتے ہیں۔

6۔ مسجد مغاربہ: یہ جنوب مغربی کونے میں (حائط البراق کے جنوب میں) واقع ہے، آج کل اس کا استعمال اسلامی میوزیم کے طور پر ہوتا ہے۔

7- جامع النساء: یہ ایک وسیع عمارت ہے، جو مسجد قبلی کی سطح سے کچھ بلندی پر واقع ہے، کہا جاتا ہے کہ اس کی تعبیر صلیبی دور میں بطور چرچ ہوئی تھی، جس کو بعد میں صلاح الدین ایوبی نے عورتوں کے نماز پڑھنے کے لیے خاص کردیا، اب یہ تین حصوں میں منقسم ہے:

1۔ مغربی حصہ اسلامی میوزیم کے تابع ہے۔

2۔ درمیانی حصہ میں الاقصیٰ مرکزی مکتب ہے۔

3۔ مشرقی حصہ مسجد قبلی کے تابع ہے جس کو اسٹور کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

دروازے: مسجد اقصیٰ کے 15 دروازے ہیں جن میں سے شمالی اور مغربی سمتوں میں 10 دروازے کھلے ہوئے ہیں، جب کہ دوسرے 5 دروازے کافی عرصے سے مختلف اسباب کی بنا پر بند ہیں، یہ تمام دروازے بلند اور وسیع عمارتوں پر مشتمل ہیں، جن کے اوپر بہت سے دفاتر اور رہائش گاہیں ہیں:

کھلے دروازے: 1۔ باب المغاربہ 2۔ باب الاسباط 3۔ باب السلسلہ 4۔ باب المتوضأ 5۔ باب القطانیین 6۔ باب الحدید 7۔ باب الناظر 8۔ باب الغوانم 9۔ باب فیصل 10۔ باب حطہ۔

بند دروازے: 1۔ باب الجنائز 2۔ الباب الذہبی 3۔ الباب المزدوج 4۔ الباب الثلاثی

5۔الباب المفرد

اقصیٰ کے مینار: مسجد اقصیٰ کے احاطے میں 4 مینار ہیں، 3 مغرب میں اور 1 شمالی سمت میں باب الاسباط کے قریب: 1۔ مینار باب المغاربہ 2۔ مینار باب السلسلہ 3۔ مینار باب الغوانم 4۔ مینار باب الاسباط

قبے: مسجد کے احاطے میں متعدد قبے واقع ہیں، اہم ترین مندرجہ ذیل ہیں:

1۔قبہ النبی 2۔قبہ سلیمان 3۔قبہ موسیٰ 4۔قبہ السلسلہ 5۔قبہ المعراج 6۔القبہ النحویہ 7۔قبہ یوسف 8۔قبہ الشیخ الخلیلی 9۔قبہ الخضر 10۔قبہ یوسف آغا۔

دیکھیے:

(۱) "دائرة المعارف، الأنس الجميل بتاريخ القدس و الخليل" ابی اليمن مجير الدين الحسنبلی۔

(۲) تاريخ المسجد الاقصی "محمد هاشم موسی خوشه"۔

(۳) المسجد الاقصی الحقيقه و التاريخ "الدكتور عيسی القدومی"۔

(۴) "فلسطين فی انتظار صلاح الدين" مولانا نور عالم خليل الأمينی۔

(۵) سفر نامہ بیت المقدس، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔

(۶) ماہ نامہ شاہراہِ علم خصوصی شمارہ جمادی الاولی 1439۔

(۷) بیت المقدس اور فلسطین عنایت اللہ وانی ندوی

(۸) بیت المقدس اور فلسطین و شام حافظ محمد اسحاق زاہد

☆......☆......☆

مولانا عبدالواحد رسول نگری

# ائمہ وخطباء کی ذمہ داریاں

امام اور خطیب کی ذمہ داری سمجھنے سے پہلے ہمیں اس اہم نقطے کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ امام اور خطیب کا تعارف مسجد کی مناسبت سے ہوتا ہے اور اس کی تمام تر ذمہ داریاں بھی مسجد کے عنوان سے ہیں۔ خود مسجد اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کیا مقام رکھتی ہے اور اسلامی سوسائٹی میں کیا مقام رکھتی ہے اور اسلامی سوسائٹی میں مسجد مسلمانوں کی کن کن ضروریات کو پورا کرسکتی ہے؟ جب مسجد کی وہ حیثیت جس سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں، سامنے آئے گی تو مسجد کی مناسبت سے امام اور خطیب کا بھی تعارف ہے، وہ بھی سامنے آئے گا۔

**مسلمانوں کی چار ضروریات مسجد سے وابستہ ہیں:** مسلمانوں کی چار اہم ترین ضروریات ہیں جو مسجد سے پوری ہوتی ہیں: (۱) پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہر مسلمان کو ایک عبادت گاہ چاہیے۔ (۲) دوسری ضرورت یہ ہے کہ ہر مسلمان کو اسلامی زندگی گزارنے کے لیے ایک درسگاہ چاہیے جہاں سے وہ اپنے روز مرہ زندگی میں علمی طور پر رہنمائی لے سکے۔ (۳) تیسری چیز یہ ہے کہ ہر مسلمان کو اپنے کردار، احوال اور قلب کی اصلاح کے لیے کوئی تربیت گاہ چاہیے۔ (۴) چوتھی چیز مسلمانوں کے پاس ایک ایسا ادارہ ہو جہاں وہ باہم ملاقات کرسکیں، بہت قریب ہوکر ملیں، ایک دوسرے کو دیکھ سکیں، ایک دوسرے کے پاس بیٹھ سکیں، کھڑے ہوسکیں۔ یہ چار چیزیں مجموعی طور پر ہماری ضرورت ہیں۔

**امام وخطیب کی ذمہ داریاں:** عبادت گاہ کا وجود، درسگاہ، تربیت گاہ، باہمی رابطے اور ملاقات کا ادارہ۔ غور کریں تو مسجد کو اللہ پاک نے ان چاروں چیزوں کو مرکز بنایا ہے مسجد کا امام وخطیب ان چاروں چیزوں کا نگران اور ذمہ دار ہے۔ امام وخطیب کی ذمہ داریوں میں سب سے پہلی چیز اس حوالے سے کہ مسجد عبادت گاہ ہے، یہ شامل ہے کہ ہر وقت عبادت کا اہتمام کرے، لوگوں کو عبادت کی ادائیگی میں سہولیات فراہم کرے۔ اوقات نماز، اذان وغیرہ امام ان کو اپنی ذمہ داریوں میں لے۔ یہ معنی نہیں کہ خود

وہ اذانیں دے بلکہ یہ کہ بروقت اذان ہورہی ہے، جماعت ہورہی ہے، اس کا دھیان رکھے۔ ایسے ہی امام کی ذمہ داریوں میں عبادت کی ادائیگی کے وقت، نمازیوں پر دھیان رکھنا کہ ان کی صفیں درست ہیں، صفوں کے اندر کوئی خلل تو نہیں اور آج کل ایک اور چیز کی طرف توجہ دلانا بھی امام کی ذمہ داریوں میں آچکا ہے۔ جب کوئی نمازی نماز کے لیے مسجد میں آتا ہے تو تقریباً ہر نمازی کی جیب میں موبائل فون بھی ہوتا ہے۔ اس بات کی طرف توجہ دلانی چاہیے کہ فون کو بند کرلیا جائے تاکہ عبادت کی ادائیگی میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔

**امام مقتدیوں کی رعایت رکھے:** امام چونکہ عبادت کا نگران بھی ہے، اس کی ذمہ داریوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ عبادت کی ادائیگی میں نمازیوں کا لحاظ رکھے۔ جیسے حدیث مبارکہ میں تخفیف قرآت کا تذکرہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں، بیمار ہیں، مسافر ہیں، کمزور ہیں، ضعیف ہیں۔ امام صرف اپنے ذوق عبادت کو سامنے رکھ کر امامت نہ کرائے۔

یہ تو ذمہ داریاں ہیں جن کا تعلق اس بات سے ہے کہ مسجد عبادت گاہ ہے۔ مسجد کا خطیب جمعہ کی خطابت کے لیے وقت مقررہ کا ضرور لحاظ رکھے۔ ہماری کوتاہیوں میں سے ایک کوتاہی یہ بھی ہے کہ ہم جو وقت لوگوں کو بتادیتے ہیں، اس وقت پر عبادت کا اہتمام نہیں کرتے۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو جاتی ہیں اور ہمارے دل میں بات آتی ہے کہ دومنٹ اور بات کرلیں، شاید لوگوں کے دل میں دین کی اور باتیں بھی آجائیں؛ لیکن لوگ وقت مقررہ سے ایک سیکنڈ بھی اوپر ہوجائے تو اس کو بوجھ سمجھتے ہیں۔

**مسجد ایک درسگاہ بھی ہے:** مسجد کا ایک تعارف اس حوالے سے ہے کہ مسجد مسلمانوں کی درسگاہ ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک زمانہ میں مسجد نبوی میں مسلمانوں کی درسگاہ کا کردار ادا کیا گیا۔ آج بھی مسلمانوں کو بنیادی دینی تعلیم کی ضروریات مسجد ہی سے پوری ہورہی ہیں۔ مثلاً ہر مسلم گھرانے کی سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ ان کے بچے کم از کم ناظرہ تو پڑھ سکیں، لہذا اسی بنیاد پر مسجد دیہات کی ہو یا شہر کی، کینٹ کی ہو یا ڈیفنس کی، وہاں اس بنیادی ضرورت کا ضرور اہتمام ہوتا ہے، لیکن اس سے آگے بڑھ کر روزمرہ زندگی کے تمام شعبہ جات میں دینی، علمی رہنمائی کی فراہمی بھی مسجد سے متعلق ہے۔ اگر کوئی شخص تجارت سے وابستہ ہے تو اس کی تجارت کے مسائل میں رہنمائی، کوئی شخص زراعت سے وابستہ ہے تو

اس کی اس میں رہنمائی، کوئی شخص کسب یعنی محنت مزدوری سے وابستہ ہے تو اس کی اس میں رہنمائی، پھر گھریلو احکام ومسائل طلاق، نکاح وغیرہ اور اس کے علاوہ بے شمار مسائل ہیں۔ یہ سارے کے سارے مسائل مسجد کے منبرومحراب سے پورے ہوں گے۔ بالخصوص آج کے زمانے میں اس کی ضرورت اور بڑھ گئی ہے۔ جب مسجد کے منبرومحراب سے یہ ضرورت پوری ہوتی نظر نہیں آرہی تو وہ ٹی وی چینلوں کی طرف رجوع کرنے لگے ہیں اب ٹی وی چینلوں کے سامنے بیٹھے ہوئے دانشوروں سے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھنے لگے ہیں۔ وہ اپنے استخارے، اور دیگر مسائل کے لیے امام خطیب کی طرف رجوع کرنے کی بجائے کسی اور کی طرف کر بیٹھے۔ وہ کیوں گئے؟ یہ ایک الگ عنوان ہے۔ ان میں ایک کوتاہی میری اور آپ کی ہے کہ ہمارا مطالعہ بہت قلیل ہے۔ ہم صحیح طریقے سے ان کے رہنمائی کر ہی نہیں سکتے۔ آدمی نے روزہ رکھا ہے تو کن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، نماز پڑھ رہے ہیں تو دوران نماز کن چیزوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اگر میں اور آپ یہ مسائل بتلا نہیں سکتے تو کم از کم بتلانے والوں کی ضرورت اور اہمیت تو ان کے دلوں میں بٹھا سکتے ہیں کہ بھائی آپ ان شعبوں میں لگے ہیں، اس شعبہ کے مسائل جاننے کے لیے آپ کسی مدرسہ کی طرف رجوع کریں۔

امام کو چاہیے کہ نوجوانوں کے سوالات کا سامنا کرے: ایک کوتاہی ہماری یہ ہوتی ہے کہ ہمارا رویہ بہت سخت ہوتا ہے۔ ایک نوجوان کے دل میں بہت سے سوالات کھڑے ہو سکتے ہیں۔ دین کے حوالے سے وہ غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے۔ کوئی زہریلا مواد اس کے دل میں اشکال پیدا کر سکتا ہے۔ وہ اشکال انتہائی سنگین ہو سکتا ہے۔ اب اگر وہ اپنے ذہن میں اٹھنے والے سوال کو امام کے سامنے عرض کرتا ہے تو فوراً ہماری طرف سے سخت ترین جملہ اس کی طرف جائے گا: تو تو دہریہ ہو رہا ہے، تو تو بددین ہو رہا ہے۔ اس کو کچھ کہنے دیں، اس کے دل کی بات زبان پر آنے دیجئے۔ وہ آئے گی اور اس کی فکر اس کی سوچ کا اندازہ ہوگا تو ہم اس کی رہنمائی کریں گے۔

ایک اور بات اسی مناسبت سے کہ مسجد درسگاہ ہے اور لوگوں کی علمی رہنمائی کا موثر ادارہ ہے، یہ بھی عرض کر دوں کہ ایک امام وخطیب یہ دیکھے کہ میری یہ مسجد آئینی، قانونی ودستوری طور پر جس مسلک سے وابستہ ہے اور یہاں کے نمازی جس مسجد سے وابستہ ہیں، اگر ان نمازیوں کو اپنے مسلک پر عمل کرتے

ہوئے کوئی بات پوچھنے کی نوبت آجاتی ہے، مثلاً کوئی ادمی کسی دوسرے مسلک کی مسجد میں چلا گیا اور وہاں کسی نے کوئی بات ذہن میں ڈال دی تو اس کی ٹھیک ٹھاک علمی رہنمائی کی جائے۔ مثال کے طور پر میں حنفی المسلک ہوں۔ میرے نمازی بھی حنفی المسلک ہیں۔ یہاں کوئی دوسرے مسلک کا آدمی آجائے تو وہ اونچی آواز میں آمین کہہ دیتا ہے اور لوگ اس کو ڈانٹتے ہیں تو وہ دو چار حدیثیں سنا دیتا ہے۔ اب لوگ لامحالہ طور پر امام صاحب کی طرف رجوع کریں گے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے تو امام صاحب کو ایسے میں کم از کم اپنے مسلک کی علمی بنیاد انتہائی مضبوط رکھنی چاہیے اور وہ خود بھی اس کے لیے تیار رہے۔ مسجد کے ساتھ ایک لائبریری کا انتظام بھی ہونا چاہیے۔

**مسجد میں درس قرآن اور درس حدیث کا اہتمام ضروری ہے:** میں نے دو حیثیتوں کے حوالے سے بات کی ہے۔ ایک تو یہ کہ مسجد عبادت گاہ ہے، میری اس حوالے سے کیا ذمہ داری ہے۔ دوسری مسجد درسگاہ ہے، میری اس حوالے سے کیا ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کے اندر یہ شامل ہے کہ لوگ جو مسجد سے علم حاصل کریں گے، اس کے مختلف درجے ہیں۔ ایک درجہ تو یہ ہے کہ باضابطہ وہ درسگاہ کے اندر آکر پڑھیں۔ یہ بہت محدود درجہ ہے، بہت محدود لوگ آئیں گے۔ ترجمہ قرآن کی کلاس لگ گئی، بہت لوگ آئے۔ عام لوگوں کو زیادہ سے زیادہ علمی معلومات فراہم کرنے کے لیے درس قرآن اور درس حدیث کا انتظام ہونا چاہیے اور پھر اس سے بھی وسیع دائرہ ہے اور وہ جمعۃ المبارک ہے۔ ہماری ترجمہ کلاس میں تھوڑے لوگ ہوں گے، جمعہ میں زیادہ ہوں گے۔ درس سے زیادہ لوگ جمعہ کے موقع پر آئیں گے۔

**جمعہ کا بیان بہت طویل نہ ہو:** جمعہ کی نماز میں خطبہ میں ہمارا بیان مضبوط علمی بنیادوں پر ہونا چاہیے۔ کوئی وقت تھا کہ لمبی تقریر کرنے والے شخص کی خطابت کا چرچا اور شہرت ہوتی تھی۔ ساری ساری رات تقریر چلتی تھی۔ آج معیار بدل چکا ہے۔ لوگوں کے پاس مختصر وقت ہے، اس مختصر وقت میں اپنی بات لوگوں کو سنائیں۔ ایک وقت تھا کہ ایک خطیب الفاظ کے انتہائی نادر نمونوں کا ذخیرہ رکھتا تھا۔ تقریر میں ایک لفظ آ گیا تو دوبارہ نہ آئے۔ لوگ اس کا معنی مفہوم سمجھنے کے لیے لغت کی کتابیں دیکھتے رہیں۔ لیکن آج یہ معیار بدل چکا ہے۔ انتہائی سادہ لب ولہجہ اور لوگوں کی سطح کے مطابق گفتگو کی جائے۔ لفظوں کی بادشاہت وہاں نہ ہو، بلکہ جتنے گمراہ لوگ ہیں جنہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا، انہوں نے طرز گفتگو انتہائی

سادہ رکھا ہے۔طرز گفتگو خطیب کا انتہائی سادہ ہو۔تیسری چیز یہ کہ کوئی وقت تھا کہ لوگوں کی معلومات کا مکمل مرکز وہ خطیب کی خطابت ہوتی تھی۔مولانا صاحب نے جو بیان فرما دیا، وہی ان کا دین ہے اور وہی ان کی شریعت ہے۔لیکن معاف کرنا، آج لوگوں کی معلومات کے ذرائع بڑھ چکے ہیں۔آج کسی عنوان پر بات شروع کریں تو لوگ فوراً کہہ دیں گے کہ یہ بات میں نے فلاں جگہ پر پڑھی ہے۔آج نیٹ کی سہولت ہر نوجوان کے پاس ہے، کمپیوٹر، بڑی سے بڑی لائبریری ایک پرزے کے اندر جمع ہے اور وہ منٹوں میں اسے دیکھ لیتے ہیں۔اس لیے میں اور آپ مجمع کے سامنے تقریر کرتے ہوئے انتہائی احتیاط سے کام لیں کہ لوگوں کی معلومات کا انحصار صرف میری خطابت پر نہیں بلکہ خارجی ذرائع پر بھی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسجد درسگاہ اور علم کا مرکز ہے، خطیب اور امام کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کی بھرپور رہنمائی کریں۔مسجد باہمی ملاقات اور رابطے کا ادارہ ہے، امام یہاں کن کن طریقوں سے لوگوں سے رابطہ کرے، کیسے لوگوں کو جوڑے، یہ ان کی ذمہ داری ہے اور ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں کیا مشکلات ہیں، ان مشکلات کو تفصیل کے ساتھ لانا ضروری نہیں۔و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

## بقیہ: اولاد کی ظاہری و باطنی تربیت-اہمیت اور انداز

اولاد کے درمیان برابری اور عدل: ابوداؤد شریف میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنی اولاد کے درمیان برابری کرو، اپنی اولاد کے درمیان برابری کرو، اپنی اولاد کے درمیان برابری کرو“۔

مطلب یہ ہے کہ ظاہری تقسیم کے اعتبار سے سب بچوں میں برابری کرنی چاہیے، کیونکہ اگر برابری نہ ہو تو بچوں کی دل شکنی ہوتی ہے۔ہاں! فطری طور پر کسی بچے سے دلی طور پر زیادہ محبت ہو تو اس پر کوئی پکڑ نہیں، بشرطیکہ ظاہری طور پر برابری رکھے۔حدیث میں تین بار مکرر برابری کی تاکید آئی ہے، جو اس کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے، یعنی اولاد کے درمیان برابری کرنا واجب ہے، اور برابری نہ کرنا ظلم شمار ہوگا۔اور اس کا خیال نہ رکھنا اولاد میں احساسِ کمتری اور باغیانہ سوچ کو جنم دیتا ہے، جس کے بعد بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں۔اللہ تعالیٰ تمام مسلمان والدین کو اپنی اولاد سے متعلق ذمہ داریاں احسن طریقہ سے نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!۔

# علمائے امت سے کچھ خاص خاص باتیں

مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے علوم و معارف عام و خاص سب کے لیے فیض عام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ذیل میں آپ کے مطبوعہ مواعظ میں سے منتخب اقتسابات کا سلسلہ دیا جارہا ہے۔ اسے جناب صوفی محمد اقبال قریشی رحمہ اللہ نے ترتیب دیا اور حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کتب خانہ سے اس مجموعہ کو شائع کروایا۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاح وانقلاب کی تجدیدی مساعی کے مختلف پہلو ہیں۔ ان میں ایک پہلو اہل علم سے متعلق بھی ہے۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے اہل علم سے متعلق کچھ صاف صاف باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی طرح طبقہ اہل علم بھی اصلاح وتہذیب وتزکیہ کا محتاج ہے۔ ہمیں ان ارشادات کا اسی نظر سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ (ادارہ)

## علوم درسیہ مدارس عربیہ بغیر عمل کے علم کہلانے کے مستحق نہیں:

فرمایا...... ہم تو علوم درسیہ مروجہ مدارس عربیہ کو بھی جب کہ وہ صرف الفاظ کے درجہ میں ہوں اور عمل کے ساتھ نہ ہو، علم نہیں کہتے اور ہم کیا خود حق تعالیٰ نے ایسے علماء کو جاہل فرمایا ہے، چنانچہ علماء یہود کی نسبت ارشاد فرمایا ہے: **لو کانوا یعلمون** کاش کہ وہ علم رکھتے، یعنی وہ علم سے ورے ہیں پس مراد علم سے وہ علم دین ہے جو خوف وخشیت کے ساتھ ہو۔ (آداب المعاشرت، ص: ۳۴۸ بحوالہ اسباب الفضائل ۳۴۵)

## ابتدائے سلوک میں وعظ ونصیحت درست نہیں:

فرمایا...... میں اپنے اہل علم دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ ابتدائے سلوک میں وعظ ونصیحت نہ

کریں، کیونکہ علاوہ بعض باطنی مفاسد کے کہ اس کو اہل طریق جانتے ہیں، ایک خرابی یہ ہوتی ہے قبل تکمیلِ تربیت کے نافہم درست ہوتا ہے نہ نیت، اس لیے احتمال اس نصیحت کے بے محل اور بے اثر ہونے کا اور بعض جگہ مضر ہونے کا۔ (الرحمۃ علی الامۃ ص: ۲۴)

### مشائخ اور علماء کے لیے ایک اہم نصیحت:

فرمایا...... جس طرح کوئی طبیب بیمار ہوجائے تو اپنا علاج خود نہیں کرتا، دوسرے معالج کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسی طرح مشائخِ وقت اور مقتدا لوگوں کو اگر کسی وقت اپنے نفس میں کوئی روحانی مرض محسوس ہو تو ان کو چاہیے کسی اپنے بڑے سے رجوع کریں اور اگر کسی شخص کا ضابطہ کا کوئی بڑا نہ رہے، (ضابطہ کا اس لیے کہا کہ حقیقت میں اور کون بڑا ہے اس کی خبر تو صرف اللہ تعالی ہی کو ہے) تو اس کو چاہیے کہ اپنے چھوٹوں ہی سے متعدلوگوں کے سامنے اپنا حال پیش کرے، مشورہ کرے، توقع ہے کہ صحیح حال سمجھ میں آجائے گا۔ (مجالس حکیم الامت، ص: ۳۰۳)

### علماء کو اصلاح اَخلاق واَحوال کے لیے کچھ مدت کسی کامل کی صحبت میں رہنا چاہیے:

فرمایا...... ہم لوگوں کی خود حالت قابل افسوس ہے۔ اہل علم خود اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کو علم کی تو فکر ہے لیکن عمل کی نہیں۔ بڑا اہتمام اس کا ہوتا ہے کہ ہم ساری کتابیں پوری کرلیں لیکن عمل کی ذرا بھی پروا نہیں۔ قوت عملیہ اس درجہ ضعیف ہو رہی ہے اسی درجہ میں خلل آگیا ہے۔ ایسی ایسی خفیف حرکات کرتے ہیں جس سے افسوس ہوتا ہے، بہت سے معاصی ہیں کہ ان میں شب و روز مبتلا ہیں؛ اور خیال بھی نہیں آتا کہ ہم نے کوئی گناہ کیا، کسی کی چیز بلا اجازت اٹھالی اور جہاں چاہا ڈال دی۔ کسی کی کتاب بلا اجازت اٹھالی اور ایسی جگہ رکھ دی کہ اس کو نہیں ملتی۔ وہ پریشان ہو رہا ہے، کسی سے کسی اچھے کام کا وعدہ کیا اور اس کے پورے کرنے کی اصلاً فکر نہیں۔ اس طرح سینکڑوں قصے ہیں کہاں تک بیان کیے جائیں، لیکن باوجود ان سب باتوں کے ان کے علم و فضل میں کوئی شک نہیں ہوتا، حالانکہ فقط کسی چیز کا جان لینا کوئی ایسا کمال نہیں، یوں تو شیطان بھی بہت بڑا عالم ہے، بڑے بڑوں کو بہکاتا ہے، تفسیر میں وہ ماہر، حدیث میں وہ واقف، فقہ میں وہ کامل، کیا ہے

جس کو وہ نہیں جانتا؟ اگر زیادہ نہ جانتا ہوتا تو علماء کو بہکا کیسے سکتا؟۔ جب کوئی شخص کسی فن میں ماہر ہوتا ہے جب ہی تو وہ اپنے سے کم جاننے والوں کو دھوکہ دے سکتا ہے۔ اس میں (یعنی شیطان میں) اگر کمی ہے تو صرف اسی بات کی ہے کہ اپنے علم پر عمل نہیں کرتا، چنانچہ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ ایسا علم جو عمل کے لیے نہ ہو جہنم کا ذریعہ ہے، اس حدیث میں **لیجاری به العلماء و لیماری به السفهاء** (تاکہ فخر کریں ساتھ اس کے علماء اور مناظرہ و جھگڑا کریں ساتھ اس کے سفہاء) وغیرہ الفاظ وارد ہوئے ہیں ہم لوگ ایسے غافل ہو رہے ہیں کہ اپنی اصلاح کی ذرا فکر نہیں کرتے۔ گو بعض لوگ قصداً گناہ نہیں کرتے لیکن بے پروائی کی وجہ سے ان سے گناہ ہو جاتے ہیں۔ وہ بھی شکایت کے قابل ہیں۔ اگر کوئی ملازم سرکاری بے پروائی کرے اور کام خراب کر دے تو کیا اس سے باز پرس نہ ہوگی؟!۔

لوگوں نے عبادت کا سات نکال لیا ہے مثلاً بظاہر اٹھ بیٹھ لیے اور نماز ادا ہوگئی۔ خصوصاً اہل علم بھی اس کا خیال نہیں کرتے کہ سوائے ظاہری قیام، قعود کے اور بھی کچھ ہے...... اور وہ ضروری بھی ہے، جس قرآن میں: قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلوتهم (تحقیق ان مسلمانوں نے آخرت میں فلاح پائی جو اپنی نماز میں) ہے اسی میں **خاشعون** بھی آیا ہے جب **صلوتهم** (اپنی نماز) کے لفظ سے نماز کو مطلوب شرعی سمجھتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ **خاشعون** (خشوع کرنے والے ہیں) سے خشوع کو مطلوب نہیں سمجھتے؟۔ اسی طرح اور مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ خشوع بھی ویسا ہے جیسے کہ قیام و رکوع وغیرہ، اس غلطی کو دفع کرنا نہایت ضروری ہے کہ ایک تو ضروری سمجھیں اور دوسرے کو نہ سمجھیں، حالانکہ دونوں حکم یکساں ضروری ہیں، یہ خشوع ہی ہے جس سے عبادت اچھی ہوتی ہے؛ احسان اسی سے حاصل ہوتا ہے۔

جس طرح کنز و ہدایہ ضروری ہے ویسے ہی ابو طالب مکی کی "قوت القلوب" اور غزالی کی "اربعین" اور شیخ شہاب الدین سہروردی کا پڑھنا بھی ضروری ہے۔ یہ گویا طب پڑھنا ہے اور اس کا مطب یہ ہے

قال را بگذار مرد حال شو

پیش مرد کاملے پامال شو

کیسی ناانصافی کی بات ہے کہ جب دس برس علم ظاہری کی تحصیل میں صرف کیے تو دس ماہ تو باطن کی اصلاح میں صرف کرو، اس کا یہی طریق ہے کہ کسی کامل کی صحبت میں رہو۔ اس کے اخلاق، عادات، عبادات کو دیکھو کہ غصہ کے وقت اس کی کیا حالت ہوتی ہے؛ شہوت کے وقت وہ کیسی حالت میں رہتا ہے، خوشامد کا اس پر کہاں تک اثر پڑتا ہے؟۔ اسی طرح تمام اخلاق کا حال ہے کیونکہ پھر جب کبھی اس کو غصہ آئے گا تو سوچے گا کہ اس کامل کی غصہ کے وقت کیا حالت ہوئی تھی؟ ہم بھی ویسا ہی کریں، اس کے اخلاق وعادات پیش نظر ہو جائیں گے۔ (حقیقت احسان، ص: ۱۳، ۱۴، ۱۶، ۱۷)

## علماء کو اپنی غلطی کا اعتراف کر لینا چاہیے:

فرمایا...... اہل علم میں یہ خطا عام ہے کہ اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے بلکہ تاویلات وتوجیہات کرنے لگتے ہیں اور یہ مرض طالب علمی ہی کے وقت سے ان میں پیدا ہوتا ہے؛ جس کا منشاء یہ ہے کہ کتب درسیات میں بعض مصنفین سے جو غلطی ہوگئی ہے؛ شراح اور محشین ان کی تاویلات ت و توجیہات کیا کرتے ہیں تاکہ مصنف سے اہل علم کو بدگمانی نہ ہو، اس سے طلبہ کو تاویل وتوجیح کی عادت پڑ جاتی ہے، حالانکہ محشی اور شارح کی تاویل وتوجیہ کا منشاء تواضع ہے کہ وہ باوجود دوسرے کی غلطی معلوم ہو جانے کہ اس کے کلام کو محمل حسن پر محمول کرتے ہیں اور اپنے مواخذہ کو ضعیف کر دیتے ہیں مگر طلبہ نے اس سے الٹا سبق سیکھا کہ اپنی خطا میں خود ہی تاویل کرنے لگے جس کا منشاء محض کبر ہے جس کی اصلاح ضروری ہے۔ (مطاہر الاموال ملحقہ حقیقت مال وجاہ، ص: ۵۶۸)

## علماء کو بعد فراغت تحصیل علم میں فضل عظیم کی حفاظت کرنا چاہیے:

فرمایا...... ایک سبق علماء کو لینا چاہیے کہ علم کو فضل عظیم سمجھ کر حاصل کریں اور اس سے کوئی غرض دنیاوی نہ رکھیں، اور بعد تحصیل کے اس فضل عظیم کی پوری قدر کریں، اس کی حفاظت کریں اس کو ضائع نہ کریں م آج کل طلبہ کی یہ حالت ہے کہ علم حاصل کرنے تک تو نہ کچھ نیت ہوتی ہے، نہ توجہ، نہ شغل اور جب فارغ ہوئے تو بعض تو اسے دنیا کمانے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اور بعض اس سے تعلق ہی نہیں رکھتے کہ کوئی طبیب بن جاتا ہے کوئی تاجر بن گیا، کوئی صنّاع ہو گیا۔ میں کچھ بننے کو منع نہیں کرتا، بنو! مگر علوم

سے تعلق تو رکھو؛ تا کہ اس کا نفع متعدی ہو اور اس تعدیہ کی ایک خاص صورت ہے کہ پڑھاتا رہے اور ایک عام صورت ہے کہ وعظ کہتا رہے؛ جس کو آج کل علماء نے بالکل چھوڑ دیا اور اسی لیے اسے جہلاء نے لے لیا، اگر ان دونوں میں سے کچھ نہ ہو سکے تو کم از کم مطالعہ ہی کرتا رہے تا کہ ذہول نہ ہو جائے، اور اگر اتفاق سے کسی کے لیے کسب کا ذریعہ بھی یہی علم ہو تو وعظ کو ذریعہ معاش نہ بناؤ، بلکہ کوئی کتاب تصنیف کرو، تدریس میں مشغول رہو اور اس سے معاش حاصل کرو۔ (اشرف العلوم ص: ۵۲)

## علماء کو استغناء کی اشد ضرورت ہے:

فرمایا...... میں خدا کے بھروسے پر کہتا ہوں کہ اگر اہل علم دنیا سے مستغنی ہو جائیں تو خدا تعالیٰ ان کی غیب سے مدد کریں اور بلکہ خود یہی اہل دنیا جو آج ان کو ذلیل سمجھتے ہیں، اس وقت ان کو معزز سمجھنے لگیں گے اور ان کے محتاج ہوں گے کیونکہ ہر مسلمان کو بحثیت مسلمان ہونے کے جس طرح اپنی ضروریات کے لیے کم وبیش دنیا کی ضرورت ہے دین کی اس سے زیادہ ضرورت ہے خواہ وہ عالم ہو یا جاہل، رئیس ہو یا غریب اور یہ ظاہر ہے کہ علماء کے پاس بقدر ضرورت دنیا موجود ہے اور اہل دنیا کے پاس دین کچھ بھی نہیں، تو ان کو ہر ہر امر میں...... موت میں، حیات میں، نماز میں، روزوں میں سب میں علماء کی احتیاج ہوگی۔ غرض ایک وقت ایسا آئے گا کہ اہل دنیا خود علماء کے پاس آئیں گے پس علماء کو استغناء چاہیے اور خدا تعالیٰ کے دین میں مشغول ل ہونا چاہیے۔ ہم لوگوں میں ایک بڑی کمی یہ ہے کہ خدا تعالی سے تعلق پیدا نہیں کرتے۔ اگر خدا تعالیٰ سے ہم کو تعلق ہو تو کسی کی بھی پرواہ نہ رہے۔ البتہ میں علماء کو بداخلاقی کی اجازت نہیں دیتا ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ امراء کی بہت خاطر داری کرتے تھے اور وجہ اس کی یہ فرماتے تھے کہ نعم الامیر علی باب الفقیر یعنی جو امیر فقیر کے دروازے پر جائے وہ بہت اچھا ہے پس جب کوئی امیر آپ کے دروازے پر آیا تو اس میں امارت کے ساتھ ایک دوسری صفت بھی پیدا ہوگئی یعنی نعم۔ پس اس صفت کی عظمت کرنی چاہیے لہذا بداخلاقی کی اجازت نہیں۔ ہاں استغناء ضروری ہے۔ (تقویم الزیغ ص: ۲۴)

☆......☆......☆

مولانا محمد نعمت اللہ خان نیازی
استاذ الحدیث جامعہ حسین بن علی

# پیران پیر محبوب سبحانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
# شخصیت و تعلیمات

پیران پیر، محبوب سبحانی، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نجیب الطرفین ہیں، آپ کے والد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے اور والدہ ماجدہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہے۔ آپ کا خاندان خوف خداوندی و دیانت داری کی بنیاد پر وجود میں آیا، بے شک خوف خداوندی اور دیانت داری بہت بڑی نعمت ہے۔

ایک نوجوان دریا کے کنارے جا رہا تھا، اس نے دیکھا کہ ایک بہتا ہوا پھل آیا ہے، بھوک لگی تھی، کھالیا لیکن بعد میں خیال آیا کہ یہ تو میرے لیے جائز نہیں تھا، خوف خداوندی نے بے تاب کر دیا، جس طرف سے پانی آرہا تھا نہر کے کنارے چلتا گیا آگے جا کر دیکھا کہ ایک باغ ہے جس میں انار کے درخت لگے ہوئے ہیں جن کی شاخیں پانی پر جھکی ہوئی ہیں نوجوان کو یقین ہو گیا کہ یہیں سے انار پانی میں گرا ہے چنانچہ باغ کے مالک کو تلاش کر کے ان کے ہاں پہنچا ان سے جا کر کے بغیر اجازت بہتے پھل کھانے پر معافی طلب کی۔ باغ کے مالک ایک بڑے اللہ والے حضرت عبداللہ صومعی تھے انہوں نے بھانپ لیا کہ یہ نوجوان دولت تقوی سے مالا مال ہے۔

انہوں نے جواب میں فرمایا میرے معاف کرنے کے لیے دو شرطیں ہیں۔ نوجوان نے کہا مجھے شرائط قبول ہیں بس آپ مجھے معاف فرما دیجیے گا تا کہ آخرت میں میری پکڑ نہ ہو فرمایا پہلی شرط یہ ہے کہ اتنا عرصہ میرے باغ کی خدمت اور نگرانی کرنی پڑے گی نوجوان نے خندہ پیشانی سے یہ شرط قبول

کرتے ہوئے وہ عرصۂ خدمت مکمل کرنے کے بعد کہا حضرت پہلی شرط پوری ہوگئی۔

دوسری شرط بتائیں حضرت عبداللہ صومعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا دوسری شرط یہ ہے کہ میری بیٹی سے آپ کو نکاح کرنا ہوگا لیکن ہے وہ اندھی، گونگی، بہری اور لنگڑی۔نوجوان نے یہ شرط بھی بڑی خندہ پیشانی سے قبول کرلی تا کہ آخرت میں گرفت نہ ہونے پائے نوجوان کا اس لڑکی سے نکاح ہوگیا حضرت نے فرمایا یہ آپ کا کمرہ ہے نوجوان کمرے میں داخل ہوا تو کیا ہی حسین وجمیل دلھن ہے گھبرا کرالٹے پاؤں واپس ہوا کہ میں تو غلط کمرے میں آگیا حضرت عبداللہ صومعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نہیں وہی تمہاری بیوی ہے۔میں نے جو کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ میری ایسی پاک باز بیٹی ہے کہ نہ کبھی نامحرم پر نگاہ پڑی، نہ نامحرم سے گفتگو کی، نہ کسی نامحرم کی طرف چل کر گئی اور نہ کسی نامحرم کی آواز اس کے کان تک پہنچی۔پھر ان دونوں کو رب تعالیٰ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسا عظیم الشان بیٹا عطاء فرمایا۔

آپ کا وطن گیلان ہے، جسے عربی میں جیلان کہتے ہیں۔لقب محی الدین ہے، آپ کی ولادت گیلان میں ۴۷۰ھ میں ہوئی۔

**بغداد کا سفر:** اٹھارہ سال کی عمر میں ۴۸۸ھ میں والدہ صاحبہ کی اجازت سے حصول علم کے لیے بغداد تشریف لائے، بغداد روانہ ہوتے وقت والدہ نے چالیس دینار دیے اور نصیحت فرمائی کہ ”ہمیشہ سچ بولنا کبھی جھوٹ نہ بولنا“ راستہ میں ڈاکوؤں نے قافلہ کو گھیر لیا ایک رہزن نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس کیا ہے؟ فرمایا: چالیس اشرفیاں، پوچھا کہاں؟ فرمایا: بغل میں گدڑی کے نیچے سلی ہوئی ہیں، ڈاکوؤں کے سردار نے گدڑی کے ادھیڑنے کا حکم دیا، چالیس دینار دیکھ کر تعجب سے پوچھا اپنا راز فاش کیوں کیا؟ فرمایا: ”میری ماں نے ہمیشہ سچ بولنے کی نصیحت کی تھی“ ماں کی دینی تربیت اور آپ کے پاکیزہ کردار نے رہزنوں کو رہبر بنا دیا کہ سب نے توبہ کی اور مال قافلے والوں کے حوالے کر دیا۔

یہ واقعہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے جواب میں ارشاد فرمایا جس نے سوال کیا تھا کہ آپ کی ترقیٔ درجات کے اسباب کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ”سچ“

**تعلیم وتکمیل:** بغداد پہنچ کر پوری جانفشانی سے تعلیم وتربیت حاصل کی، ہر علم کو ماہر وباکمال اساتذہ کرام سے حاصل کیا اور اس میں پوری مہارت حاصل کی۔طریقت کی تعلیم شیخ ابوالخیر حماد بن مسلم

الدباس رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم روحانی پیشوا سے حاصل کی، حضرت شعرانی نے لکھا ہے کہ مریدین کی تربیت میں ان کو بلند مقام حاصل تھا، اکثر مشائخ اور صوفیاء انہی سے وابستہ تھے۔ آپ نے روحانی تربیت کی تکمیل واجازت حضرت قاضی ابوسعید مخرمی سے حاصل کی۔ (تاریخ دعوت وعزیمت: ج۱)

**اسلامی درسگاہ ومجالس وعظ کا قیام:** ظاہری و باطنی تکمیل کے بعد مسند تدریس ومسند ارشاد کو زینت بخشی اور اپنے استاد وشیخ مخرمی کے مدرسہ میں تدریس ووعظ کا سلسلہ شروع کیا بہت جلد مدرسہ کی توسیع کی ضرورت پیش آ گئی، یہاں تک کہ ستر ہزار تک حاضرین کا اندازہ ہوا، چار سو علمائے کرام قلم دوات لے کر بیٹھتے اور آپ کے ارشادات قلم بند کرتے۔ (حضرت جیلانی رحمۃ اللہ علیہ از فاروقی شہید رحمۃ اللہ علیہ)

**تعلیمی مشاغل وخدمات:** مدرسہ میں ایک سبق تفسیر کا، ایک حدیث کا، ایک فقہ اور ایک اختلافِ ائمہ اور ان کے دلائل؛ کا پڑھاتے تھے۔ صبح شام تفسیر، حدیث، فقہ، مذاہب ائمہ، اصول فقہ اور نحو کے اسباق ہوتے، ظہر کے بعد تجوید کی تعلیم ہوتی، اس کے علاوہ افتاء کی مشغولیت تھی۔

**اخلاق:** حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بے مثال اخلاق وکردار کے مالک تھے، اتنے اعلی مقام پر فائز ہونے کے باوجود کہ بادشاہ ووزراء آپ کی مجالس میں نیازمندانہ حاضر ہوتے تھے، انتہائی متواضع تھے کہ ایک بچہ بھی بات کرنے لگتا تو کھڑے ہو کر سنتے اور اس کا کام کرتے، غریبوں وفقراء کے پاس بیٹھتے، آپ کی سادگی و بے تکلفی دیکھ کر لوگ حیران رہ جاتے۔ لیکن بادشاہوں اور وزیروں کے دروازے پر تشریف نہ لے جاتے، احکام الٰہی کی توہین پر غضب ناک ہو جاتے، حدود شریعت کا ہر قدم لحاظ رکھتے، سائل کو رد نہ فرماتے، ہر شخص یہی سمجھتا کہ اس سے بڑھ کر اس کا کوئی مقرب نہیں۔

**دنیا کی صحیح حیثیت:** حضرت شیخ کے ہاں رہبانیت کی تعلیم نہیں تھی، دنیا بقدر ضرورت حاصل کرنے سے منع نہیں فرماتے تھے، بلکہ اس کی غلامی اور قلبی تعلق سے منع فرماتے تھے۔ ایک موقع پر فرماتے ہیں: دنیا ہاتھ میں رکھنی جائز، جیب میں رکھنی جائز، کسی اچھی نیت سے اس کو جمع رکھنا جائز، باقی قلب میں رکھنا جائز نہیں (کہ دل سے بھی محبوب سمجھنے لگے) دروازہ پر اس کا کھڑے رہنا جائز باقی دروازے سے آگے گھسنا نہ جائز ہے اور نہ تیرے لیے عزت ہے۔ (فیوض یزدانی بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت)

**مردہ دلوں کی مسیحائی:** حضرت شیخ کی کرامات کی کثرت پر مؤرخین کا اتفاق ہے بلکہ بقول امام ابن تیمیہ شیخ کی کرامات حدتواتر کو پہنچ گئی ہیں، ان میں سب سے بڑی کرامت مردہ دلوں کی مسیحائی ہے، شیخ عمر کیسانی کہتے ہیں: کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی جس میں یہودی اورعیسائی اسلام نہ قبول کرتے ہوں، ڈاکو اور جرائم پیشہ توبہ سے مشرف نہ ہوتے ہوں، باطل عقائد والے اپنے غلط عقائد سے توبہ نہ کرتے ہوں؛ بلکہ حضرت شیخ نے ایک موقع پر فرمایا: میرے ہاتھ پر پانچ ہزار سے زیادہ یہودی اور عیسائی مسلمان ہو چکے ہیں اور جرائم پیشہ لوگوں میں سے ایک لاکھ سے زائد توبہ کر چکے ہیں ؎

کیا نظر تھی کہ جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

**عشقِ الٰہی اور محبتِ نبوی ﷺ کی دولت:** ایک مرتبہ بادشاہ نے بطور جاگیر ایک صوبہ حضرت شیخ جیلانی کی خدمت میں پیش کیا، جس کا نام نیم روز تھا، نیم روز آدھے دن کو کہتے ہیں اور نیم شب آدھی شب کو، حضرت نے دو اشعار میں جواب دیتے ہوئے فرمایا:

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد
گر در دل ھوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم ملک نیم شب
ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

فرمایا: اگر میرے دل میں ملک سنجر کی ہوس وتمنا ہو تو میرا نصیب سنجر کے جھنڈے کی طرح کالا ہو جائے، جب سے آدھی رات کی بادشاہی یعنی رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی دولت و سلطنت حاصل ہوئی ہے ملک نیم روز کو ایک جو کے بدلے بھی خریدنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

یہ حضرت کا عشق الٰہی اور محبت نبوی کی دولت سے مالا مال ہونا ہے کہ دنیا کی دولت اور سلطنت کو ٹھکرا دیا۔ ہم بھی ذرا غور کریں ہمارے اعمال واخلاق کیسے ہیں؟

**شیطان کا وار:** ایک دن حضرت تشریف فرما تھے شیطان نے ارد گرد روشن کر کے کہا: عبدالقادر جیلانی میں تیرا رب ہوں، ہم نے آپ سے عبادت کی ذمہ داری ختم کر دی یعنی آپ اتنے مقبول ہو گئے

ہیں کہ آپ کو کوئی عبادت کرنے کی ضرورت نہیں اور آپ کے لیے حرام چیزیں بھی حلال ہیں۔ یہ شیطان کا حملہ تھا۔ بقول حضرت عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ "نار اور نور کا رنگ ایک جیسا ہوتا ہے، اس کو ماہر آدمی ہی سمجھ سکتا ہے کہ یہ نور ہے یا نار، نور ہو تو کامیاب، نار ہو تو ہلاک ہے۔"

حضرت جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے تقوی دیا تھا فوراً سمجھ گئے کہ یہ شیطانی اثر ہے، پھر شیطان نے دوسرا حملہ یہ کیا کہ عبدالقادر تجھے تیرے علم نے بچا لیا ہے، وگرنہ میں نے بڑے بڑے عبادت گزاروں کو ہلاک کر دیا، حضرت سمجھ گئے کہ یہ دوسرا وار ہے۔ فرمایا: میرے علم نے نہیں بلکہ اللہ نے بچایا ہے۔ شیطان کے حملوں سے ایمان و تقوی کی دولت کو بچا کر شاہراہ نجات پر آخری سانس تک چلنے کے لیے اللہ والوں کا تعلق ضروری ہے۔ کیونکہ ؎

صحبت صالح ترا صالح کنند

حضرت شاہ جیلانیؒ کا آخری پیغام اپنے مریدوں کے نام: مرض وصال میں آپ کے صاحبزادہ حضرت شیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے ایسی وصیت فرمایئے جس پر میں آپ کے بعد عمل پیرا ہوسکوں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا: تجھ پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتا رہے اور اس کی مخلوق میں سے کسی سے خوف نہ کھا۔ اللہ تعالی کے سوا کسی سے امیدیں اور حاجات وابستہ نہ کر، اپنے تمام کاموں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر اور خداوند تعالیٰ کے سوا کسی سے وثوق نہ رکھ، اللہ تعالیٰ کی ذات صفات کے متعلق توحید کو پختگی سے اختیار کر کیونکہ توحید باری تعالیٰ پر سب کا اجماع و اتفاق ہے۔

**وفات:** آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل مدت تک اپنے ظاہری و باطنی کمالات سے انسانیت کو مستفید کر کے اور رجوع الی اللہ کا ذوق پیدا کر کے ۵۹۱ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ (مستفاد تاریخ دعوت و عزیمت جلد ۱)

آج اس بات کی ضرورت ہے کہ دین کی صحیح ترجمانی اور اسوۂ حسنہ کا صحیح نقشہ امت کے سامنے پیش کیا جائے، اس طرح مادیت و مغربیت اور بدعات و رسومات کے تاریک ماحول میں حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسی جلیل القدر شخصیت کی زندگی کے درخشاں پہلوؤں کو سامنے لایا جائے۔ تاکہ آنے والے لوگ انہیں مشعل راہ بنا کر آج کے بیمار ماحول کے لیے مسیحا ثابت ہوں۔

مولانا محمد شفیق الرحمٰن علوی

# اولاد کی ظاہری و باطنی تربیت- اہمیت اور انداز

بچے مستقبل میں قوم کے معمار ہوتے ہیں، اگر انھیں صحیح تربیت دی جائے تو اس کا مطلب ہے ایک اچھے اور مضبوط معاشرے کے لیے ایک صحیح بنیاد ڈال دی جائے۔ بچوں کی اچھی تربیت سے ایک مثالی معاشرہ وجود میں آتا ہے، اس لیے ایک اچھا پودا ہی مستقبل میں تناور درخت بن سکتا ہے۔

بچپن کی تربیت نقش علی الحجر ہوتی ہے، بچپن میں ہی اگر بچے کی صحیح دینی واخلاقی تربیت کی جائے تو بڑے ہونے کے بعد بھی وہ ان پر عمل پیرا رہے گا۔ اس کے برخلاف اگر درست طریقہ سے ان کی تربیت نہ کی گئی تو بلوغت کے بعد ان سے بھلائی کی توقع نہیں کی جاسکتی، نیز بلوغت کے بعد وہ جن برے اخلاق واعمال کا مرتکب ہوگا۔ اس کے ذمہ دار اور قصور وار اس کے والدین ہی ہوں گے جنھوں نے ابتداء ہی سے ان کی صحیح رہنمائی نہیں کی، نیز اولاد کی اچھی اور دینی تربیت دنیا میں والدین کے لیے نیک نامی کا باعث اور آخرت میں کامیابی کا سبب ہے، جبکہ نافرمان اور بے تربیت اولاد دنیا ہی میں والدین کے لیے وبالِ جان ہوگی، اور آخرت میں بھی رسوائی کا سبب بنے گی، لفظ تربیت ایک وسیع مفہوم رکھنے والا لفظ ہے، اس لفظ کے تحت افراد کی تربیت، خاندان کی تربیت، معاشرہ اور سوسائٹی کی تربیت، پھر ان قسموں میں بہت سی ذیلی اقسام داخل ہیں۔ ان سب اقسام کی تربیت کا اصل مقصد وغرض، عمدہ، پاکیزہ، بااخلاق اور باکردار معاشرہ کا قیام ہے۔ تربیتِ اولاد بھی انھیں اقسام میں سے ایک اہم قسم ہے۔

آسان الفاظ میں "تربیت" کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ: "برے اخلاق وعادات اور غلط ماحول کو اچھے اخلاق وعادات اور ایک صالح، پاکیزہ ماحول سے تبدیل کرنے کا نام- تربیت- ہے۔"

## تربیت کی دو قسمیں ہیں:

تربیت دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) ظاہری تربیت (۲) باطنی تربیت

ظاہری اعتبار سے تربیت میں اولاد کی ظاہری وضع قطع، لباس، کھانے، پینے، نشست و برخاست، میل جول، اس کے دوست واحباب اور تعلقات ومشاغل کو نظر میں رکھنا، اس کے تعلیمی کوائف کی جانکاری اور بلوغت کے بعد ان کے ذرائع معاش کی نگرانی وغیرہ امور شامل ہیں۔ یہ تمام امور اولاد کی ظاہری تربیت میں داخل ہیں، اور باطنی تربیت سے مراد ان کے عقیدہ اور اخلاق کی اصلاح ودرستی ہے۔

اولاد کی ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی تربیت والدین کے ذمہ فرض ہے۔ ماں باپ کے دل میں اپنی اولاد کے لیے بے حد رحمت وشفقت کا فطری جذبہ اور احساس پایا جاتا ہے۔ یہی پدری ومادری جذبات واحساسات ہی ہیں جو بچوں کی دیکھ بھال، تربیت اور ان کی ضروریات کی کفالت پر انھیں ابھارتے ہیں، ماں باپ کے دل میں یہ جذبات راسخ ہوں اور ساتھ ساتھ اپنی دینی ذمہ داریوں کا بھی احساس ہو تو وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریاں احسن طریقہ سے اخلاص کے ساتھ پوری کر سکتے ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں اولاد کی تربیت کے متعلق واضح ارشادات موجود ہیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "قوا انفسکم واھلیکم نارا وقودھا الناس والحجارۃ"۔ (التحریم:٦)

ترجمہ: اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر وتشریح میں فرمایا کہ: "علّموھم وادبوھم"۔ ترجمہ: ان (اپنی اولاد) کو تعلیم دو اور ان کو ادب سکھاؤ۔

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنے بیوی بچوں کے فرائض شرعیہ اور حلال وحرام کے احکام کی تعلیم دے اور اس پر عمل کرانے کی کوشش کرے۔

اولاد کی تربیت کی اہمیت کا اندازہ ان احادیث سے بھی ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

۱: ما نحل والد افضل من ادب حسن۔ (بخاری)

ترجمہ: کوئی باپ اپنی اولاد کو اس سے بہتر عطیہ نہیں دے سکتا کہ اس کو اچھے آداب سکھائے۔

یعنی اچھی تربیت کرنا اور اچھے آداب سکھانا اولاد کے لیے سب سے بہترین عطیہ ہے۔

**۲: عن ابن عباس.... قالوا: یارسول الله! قد علمنا ما حق الوالد فما حق الولد؟ قال: أن یحسن اسمه ویحسن أدبه. (سننِ بیهقي)**، ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! والدین کے حقوق تو ہم نے جان لیے، اولاد کے کیا حقوق ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ اس کا نام اچھا رکھے اور اس کی اچھی تربیت کرے۔

**۳:** یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ انسان جن کا ذمہ دار ور کھوالا ہے، انھیں ضائع کردے، ان کی تربیت نہ کرے۔ یہ بھی ضائع کرنا ہے کہ بچوں کو یونہی چھوڑ دینا کہ وہ بھٹکتے پھریں، صحیح راستہ سے ہٹ جائیں، ان کے عقائد و اخلاق برباد ہوجائیں۔ نیز اسلام کی نظر میں ناواقفیت کوئی عذر نہیں ہے، بچوں کی تربیت کے سلسلے میں جن امور کا جاننا ضروری ہے، اس میں کوتاہی کرنا قیامت کی باز پرس سے نہیں بچاسکتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ”اپنی اولاد کو ادب سکھاؤ، قیامت والے دن تم سے تمہاری اولاد کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ تم نے اسے کیا ادب سکھایا؟ اور کس علم کی تعلیم دی؟“ **(شعب الایمان للبیهقی)**

**بچوں کی حوصلہ افزائی:** بچہ نرم گیلی مٹی کی طرح ہوتا ہے، ہم اس سے جس طرح پیش آئیں گے، اس کی شکل ویسی بن جائے گی۔ اگر کوئی اچھا کام کرے تو اس کی حوصلہ افزائی کے لیے اس کی تعریف سے دریغ نہیں کرنا چاہیے اور اس پر اسے شاباش اور کوئی ایسا تحفہ وغیرہ دینا چاہیے کہ جس سے بچہ خوش ہوجائے اور آئندہ بھی اچھے کام کا جذبہ اور شوق اس کے دل میں پیدا ہوجائے۔

**بچوں کی غلطی پر تنبیہ کا حکیمانہ انداز:** بچوں کو کسی غلط کام پر بار بار ٹوکنا ان کی طبعیت میں غلط چیز راسخ ہونے سے حفاظت کا سبب بنتا ہے، جس سے اگر غفلت برتی گئی تو اس میں شک نہیں کہ بچوں اور بچیوں میں غلط افکار جڑ پکڑنے سے کامل طریقہ سے ان کی بیخ کنی ہوگی۔ بچے سے خطا کا ہوجانا کوئی اچھبنے کی بات نہیں ہے، غلطی تو بڑوں سے بھی ہوجاتی ہے۔ ماحول کا بچوں پر اثر ہوتا ہے، ممکن ہے غلط ماحول کی وجہ سے بچہ غلطی کر بیٹھے، تو اس صورت حال کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ بچے سے غلطی کس سبب سے ہوئی؟ اسی عتبار سے سمجھایا جائے، تربیت میں میانہ روی اور اعتدال کا راستہ اختیار کرنا چاہیے، مربی کو اس بات سے باخبر رہنا چاہیے کہ اس وقت بچہ کے لیے نصیحت کارگر ہے یا سزا؟ تو جہاں جس قدر سختی

اور نرمی کی ضرورت ہو اسی قدر کی جائے۔ بہت زیادہ سختی اور بہت زیادہ نرمی بھی بعض اوقات بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔

تربیت میں تدریجی انداز اختیار کرنا چاہیے، چنانچہ غلطی پر تنبیہ کی ترتیب یوں ہونی چاہیے: ا: سمجھانا ۲: ڈانٹ ڈپٹ کرنا ۳: مار کے علاوہ کوئی سزا دینا ۴: مارنا ۵: قطع تعلق کرنا۔ یعنی غلطی ہوجانے پر بچوں کی تربیت حکمت کے ساتھ کی جائے، اگر پہلی مرتبہ غلطی ہو تو اولا اسے اشاروں اور کنایوں سے سمجھایا جائے، صراحتاً برائی کا ذکر کرنا ضروری نہیں۔ اگر بچہ بار بار ایک ہی غلطی کرتا ہو تو اس کے دل میں یہ بات بٹھائیں کہ اگر دوبارہ ایسا کیا تو اس کے ساتھ سختی برتی جائے گی، اس وقت بھی ڈانٹ ڈپٹ کی ضرورت نہیں ہے، نصیحت اور پیار سے اسے غلطی کا احساس دلایا جائے۔

پیار و محبت سے بچوں کی تربیت و اصلاح کا ایک واقعہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: فرماتے ہیں کہ میں بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیرِ تربیت اور زیر کفالت تھا، میرا ہاتھ کھانے کے برتن میں ادھر ادھر گھوم رہا تھا، یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: **"یا غلام سم اللہ! و کل بیمینک و کل مما یلیک"** اے لڑکے! اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنی طرف سے کھاؤ۔

اگر نصیحت اور آرام سے سمجھانے کے بعد بھی بچہ غلطی کرے تو اسے تنہائی میں ڈانٹا جائے اور اس کام کی برائی بتائی جائے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کو کہا جائے۔ پھر بھی اگر باز نہ آئے تو تھوڑی سی پٹائی بھی کی جاسکتی ہے۔ تربیت کے کے یہ طریقے نو عمر بچوں کے لیے ہیں، لیکن بلوغت کے بعد تربیت کے طریقے مختلف ہیں، اگر اس وقت نصیحت سے نہ سمجھے تو جب تک وہ اپنی برائی سے باز نہ آئے تو اس سے قطع تعلق بھی کیا جاسکتا ہے، جو شرعًا درست ہے اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل کے ایک رشتہ دار تھے، جو ابھی بالغ نہ ہوئے تھے، انھوں نے پتھر پھینکا تو حضرت عبداللہ نے منع کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنکر مارنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ: **"انها لا تصيد صيدًا"**۔ اس سے کوئی جانور شکار نہیں ہوسکتا، اس نے پھر کنکر پھینکا تو انہوں نے غصہ سے فرمایا کہ میں تمہیں بتلا رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور تم دوبارہ ایسا

ہی کر رہے ہو؟ میں تم سے ہرگز بات نہیں کروں گا۔اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر بھی اپنے بیٹے سے ایک موقع پر قطع تعلق کیا تھا اور مرتے دم تک اس سے بات نہ کی۔

**بچوں کو ڈانٹنے اور مارنے کی حدود:** بچوں کی تربیت کے لیے ماں باپ یا استاد کا انھیں تھوڑا بہت، ہلکا پھلکا مارنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ بعض اوقات ضروری ہوجاتا ہے۔اس معاملہ میں افراط وتفریط کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔غصہ میں بے قابو ہوجانا اور حد سے زیادہ مارنا بچوں کو مارنے ہی کو غلط سمجھنا دونوں باتیں غلط ہیں۔پہلی صورت افراط ہے اور دوسری صورت میں تفریط ہے۔اعتدال کا راستہ وہ ہے کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں بیان فرمایا کہ:"اپنے بچوں کو نماز کا حکم کرو، جب وہ سات سال کے ہوجائیں اور ان کو نماز نہ پڑھنے پر مارو، جب کہ وہ دس برس کے ہوجائیں۔"(مشکوۃ)اس حدیث سے مناسب موقع پر حسبِ ضرورت مارنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

مارنے میں اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ اس حد تک نہ مارا جائے کہ جسم پر مار کا نشان پڑے، نیز جس وقت غصہ آرہا ہو، اس وقت نہ مارا جائے، بلکہ بعد میں جب غصہ ٹھنڈا ہوجائے تو اس وقت مصنوعی غصہ ظاہر کرکے مارا جائے، کیونکہ طبعی غصہ کے وقت مارنے میں حد سے تجاوز کرجانے کا خطرہ ہوتا ہے اور مصنوعی غصہ میں یہ خطرہ نہیں ہوتا، مقصد بھی حاصل ہوجاتا ہے اور تجاوز بھی نہیں ہوتا۔

**لڑکوں کو لڑکیوں پر ترجیح دینا گناہ ہے:** اولاد اللہ تعالیٰ کی بیش بہا نعمت اور تحفہ ہے، خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔اسلامی تعلیمات کی رو سے بچوں پر رحم وشفقت کے معاملہ میں مذکر ومونث میں کوئی تفریق نہیں ہے۔جو والدین لڑکے کی بہ نسبت لڑکی سے امتیازی سلوک کرتے ہیں، وہ جاہلیت کی پرانی برائی میں مبتلا ہیں، اس طرح کی سوچ اور عمل کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ دینی اعتبار سے تو اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔لڑکی کو کمتر سمجھنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے سے خوشی کا اظہار کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے لڑکی دے کر کیا ہے، ایسے آدمی کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ تو کیا پوری دنیا بھی مل کر اللہ تعالیٰ کے اس اٹل فیصلہ کو تبدیل نہیں کرسکتی۔یہ درحقیقت زمانہ جاہلیت کی فرسودہ اور قبیح سوچ ہے، جس کو ختم کرنے کے لیے رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والدین اور تربیت کرنے والوں کو لڑکیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنے کی بار بار نصیحت کی۔(بقیہ صفحہ:۲۳ پر ملاحظہ کیجیے)

مولانا محمد مبین انجم
فاضل ومدرس جامعہ حسین بن علی

# تجارت کی سنتیں (۰۳)

☆......جس نے کسی عیب دار چیز کو اس کا عیب بتائے بغیر فروخت کر دیا، وہ ہمیشہ اللہ پاک کے غضب میں رہے گا اور فرشتہ اس پر لعنت کرتا رہے گا۔ (کنز)

☆...... چیزوں کے مہنگے ہونے کے انتظار میں ان کو روکے رکھنے والا شخص ملعون ہے، یعنی اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ (ابن ماجہ)

☆......عیب والی یا خراب چیزوں کو الگ رکھ کر فروخت کرنا سنت ہے (اور اس کے خلاف کرنے والا حرام کھاتا ہے)۔ (مجمع الزوائد)

☆...... پھلوں کو اس وقت تک نہ بیچو جب تک کہ ان کی پختگی ظاہر نہ ہو جائے اور یہ ممانعت خریدنے اور بیچنے والے دونوں کے لیے ہے۔ (ابوداؤد)

☆......آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص غلہ وغیرہ خریدے جب تک اسے قبضہ میں نہ لے لے، اسے فروخت نہ کرے"۔ (ابوداؤد)

☆......شراب کی تجارت اور اس کے کارخانے کی ملازمت ناجائز اور حرام ہے۔ (صحیح البخاری)

☆......آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے یعنی کسی نے ایک چیز کا سودا کر لیا، اب کوئی اس چیز کا سودا کرنے کی کوشش نہ کرے۔ (صحیح المسلم)

☆......☆......☆

ادارہ

# جامعہ حسین بن علی کے شب وروز

۲۲ محرم الحرام......بعد از نماز مغرب سہ ماہی امتحان کے لیے اجتماعی تکرار شروع ہوا، جو تین دن جاری رہا۔

۲۶ محرم الحرام......سہ ماہی امتحان کا باقاعدہ آغاز ہوا، جس میں تمام طلبہ نے شرکت کی۔

۳۰ محرم الحرام......شعبہ تحفیظ القرآن کا سہ ماہی امتحان انعقاد پذیر ہوا، جس میں قاری محمد شفیع الرحمٰن شاہ صاحب اور قاری محمد اقبال رحیمی صاحب کو مدعو کیا گیا۔قاری محمد ممتاز صاحب کی کلاس اور قاری محمد اسلم صاحب کی کلاس کا مکمل امتحان قاری محمد اقبال اور ان کے معاون نے لیا جبکہ قاری محمد عیسیٰ صاحب، قاری محمد نعمان صاحب کی کلاسوں کا امتحان حضرت شاہ صاحب اور ان کے معاون قاری محمد افضل صاحب نے لیا۔الحمدللہ! مجموعی طور پر سب بچوں نے اچھا سنایا اور داد وصول کی۔

۱۰ صفر المظفر......شعبہ کتب کا آخری پیپر ہوا، دو دن کی چھٹی ہوئی جس میں قرب و جوار کے طلبہ گھر چلے گئے اور دور دراز والے طلبہ نے مدرسہ ہی میں آرام کیا اور پھر ہفتہ والے دن سے باقاعدہ پڑھائی کا آغاز ہو گیا۔

۰۵ صفر المظفر......اساتذہ جامعہ کی رہائش کے لیے اشد ضرورت کے پیش نظر ایک مکان جناح کالونی میں خریدا گیا، جس کی لاگت ۱۱ (گیارہ) لاکھ روپے ہے، اسی سلسلہ میں جامعہ میں معاونین کے دو مشاورتی اجلاس بلائے گئے، تاحال کچھ رقم کی ادائیگی ہوئی ہے باقی رقم ابھی واجب الاداء ہے، جنہوں نے تعاون کیا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، باقی مخیر حضرات سے بھرپور تعاون کی اپیل ہے۔

۱۱ صفر المظفر......ماسٹر محمد امیر ہراج صاحب کے والد محترم، ڈاکٹر محمد جواد صاحب کے دادا جان بقضائے الٰہی انتقال کر گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔اللہ تعالیٰ مرحوم کی کامل بخشش فرمائے۔آمین

☆......☆......☆